قواعدِ فقہیہ کے مآخذ

Sources of Legal Maxims of Islamic Law

Naseem Mahmood, Lecturer
Department of Islamic Studies,Government Allama Iqbal College (Boys)
Paris Road, Sialkot

Abstract

This topic is most important for the researchers of Islamic law as most of the Islamic laws are based on the clear wordings of Qur'an and Sunnah of Holly Prophet Peace Be Upon Him. Most of the Legal Maxims of Islamic Law have also been used or derived from these basic sources of Islamic Laws. Some jurists are of the opinion that these Maxims play no role in providing the law, but in fact they play an important role in this regard. Legal maxims have attained this position in west also as most of the laws in west rely on the Maxims of their law. In Islam these Maxims also provide some laws, as some of the Maxims have been derived direct from the Qur'an and Sunnah. So, there must be no doubt on authenticity and legal position of these Maxims. This article provides the literary and technical definitions of Islamic Legal Maxis, its sources and role in Islamic Laws. Some illustrations have been provided for the use of the same words of the maxims in Qur'an and Sunnah and these maxims will have the same authority as of the Qur'an and Sunnah. Some expediencies, customs and usages and obstruction of the ways have been discussed to prove them to be the sources of Islamic Legal maxims and some examples have been provided for the same.

Keywords: Legal Maxims; Islamic Law; Islamic Jurisprudence

قاعدہ کا لغوی مفہوم:

قاعدہ کی جمع قواعد ہے اور قاعدہ کا لغوی معنی مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

قاعدہ بمعنی اساس:

متعدد علماء نے قاعدہ کا معنی اساس بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی نے بھی قاعدہ کو اسی معنی میں لیا ہے(۱)۔

صاحب تاج العروس امام زجاج کے حوالے سے قواعد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وقال الزجاج القواعد اساطین البناء التی تعمده "(۲)

" قواعد سے مراد عمارت کی وہ بنیادیں ہیں جن پر وہ قائم ہوتی ہے"

امام شرف الدین نووی نے اس کے مفہوم کو بھی اسی طرح بیان کیا ہے(۳)

ابن منظور افریقی کے ہاں بھی اس سے مراد اساس اور بنیاد ہے اورانہوں نے زجاج کا قول بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"وقواعد الهودج :خشبات اربع معترضة فى اسفله تركّب عيدان الهودج فيها"(٤)

ہودج کے قواعد سے مراد نیچے کو لٹکی وہ چار لکڑیاں ہیں جن میں ہودج کی باقی لکڑیاں پیوست ہوتی ہیں۔

صاحب مصباح المنیر بھی قواعد کا معنی اساس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قواعد) البيت اساسه "(٥)

''گھر کے قواعد سے مراد اسکی بنیادیں ہیں''

پھر اساس کی درج ذیل دو اقسام ہیں:

(i) اساس حسی: اس سے مراد وہ اساس ہے جو محسوس ہو سکے جیسے گھر کی بنیادوں کیلئے قواعد البیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں اس کا استعمال یوں ہے:

﴿وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ﴾ (٦)

"اور جب ابرہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے"

اس آیت کریمہ میں قواعد کا لفظ حسی بنیادوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ایک اور مقام پر قواعد بمعنی اساس حسی یوں استعمال ہوا ہے۔

﴿قَدۡ مَکَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَی اللّٰهُ بُنۡیَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰـهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ﴾ (٧)

''ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا،(آخر) اللہ نے ان (کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اوپر سے گر پڑیں اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا جہاں کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا''

﴿وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا یَرۡجُوۡنَ نِکَاحًا﴾ (٨)

''بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش ہی) نہ رہی ہو''

اس آیت میں بھی قواعد حسّی بنیادوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ii) اساس معنوی: قاعدہ سے مراد وہ اساس ہے جو حسی نہ ہو بلکہ معنوی ہو جیسے قواعد الدین یعنی دین کی بنیادیں جو کہ حسی نہیں بلکہ معنوی ہیں

قواعد کی لغوی وضاحت کے بعد اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف علماء نے مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔اس حوالے سے امام جرجانی کے الفاظ یہ ہیں:

"فهى قضية كلية منطبقة علىٰ جميع جزئياتها"(۹)

"قاعدہ سے مراد ایسا کلی معاملہ ہے جس کا اپنی تمام جزئیات پر اطلاق ہوتا ہو"

ابوالبقاء کفوی قاعدہ کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

" قضية كلية فى حيث اشتمالها بالقوة على احكام جز ئيات موضوعها "(۱۰)

"ایسا کلی معاملہ ہے جس کا اطلاق باعتبار قوت اپنے موضوع کی جزئیات کے تمام احکام پر ہوتا ہے"

امام تفتازانی قاعدہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"حكم كلى ينطبق على جزئيات ليتعرف احكامها منه "(۱۱)

''ایسا کلی حکم جو اپنی جزئیات پر اس طرح صادق آتا ہو کہ اس سے اس کے تمام احکام معلوم ہو جائیں قاعدہ کہلاتا ہے''

محمد اعلیٰ بن علی تھانوی اس کی تعریف کو تفصیل کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں:

"هى فى اصطلاح العلماء تطلق على معان مترادف الاصل و القانون و المسألة و الضابطة و المقصد و عرفت بانها امر كلى منطبق على جميع جزئياته عند تعرف احكا مها منه .... وانه يظهر لمن تتبع موارد الاستعمالات ان القاعدة هى الكلية التى يسهل تعرف احوال الجزئيات منها "(۱۲)

"علماء کی اصطلاح میں لفظ قاعدہ کا اطلاق اصل، قانون، مسئلہ، ضابطہ اور مقصد جیسے مترادف معانی پر ہوتا ہے اور اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایسا کلی معاملہ ہے جو اپنے احکامات کی معرفت کے اعتبار سے اپنی تمام جزئیات پر صادق آتا ہے............ اور جو اس کے استعمالات کے مواقع کی جستجو میں رہتا ہے اس پر یہ واضح ہوتا ہے کہ قاعدہ ایسا کلی معاملہ ہے کہ اس کے ذریعے اس کی جزئیات کے احوال کی پہچان آسان ہو جاتی ہے"

قاعدہ کی عمومی اصطلاحی تعریف کے بعد ضروری ہے کہ فقہا کے نزدیک قاعدہ کی اصطلاحی تعریف کی جائے کیونکہ اس مقالے کا موضوع فقہ کے متعلق ہے۔چنانچہ ذیل میں مختلف فقہاء کے ہاں قاعدہ کی اصطلاحی تعریفات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۱۔ امام ابن نجیم کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے شارح امام حموی قاعدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان القاعدة هى عند الفقهاء غير ها عند النحاة و الأصوليين ، اذهى عند ا لفقهاء حكم اكثرى لا كلى، ينطبق على أكثر جزئياته لتعرف احكامها منه" (۱۳)

"فقہاء کے نزدیک قاعدہ کا معنی نحویوں اور اصولیوں کے معنی کے برعکس ہے۔ چنانچہ فقہا کے نزدیک قاعدہ ایسا کلی نہیں بلکہ حکم اکثری ہے جو اپنے احکام کی پہچان کے لئے اپنی اکثر جزئیات پر صادق آتا ہے۔

۲۔ امام تاج الدین سبکی قاعدہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"هى الأمر الكلى الذى ينطبق عليه جزئيات كثيرة تفهم احكامها منها"(۱٤)

"یہ وہ کلی معاملہ ہے جس پر ایسی بہت سی جزئیات کا انحصار ہو جن کے ذریعے ان کے احکام سمجھے جاسکیں

۳۔ امام زرکشی قواعدِ فقہیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما قواعد الفقه هى عبارة عن المسائل التى تندرج تحتها احكام الفقه نفسها"(۱۵)

''قواعد فقہیہ ان مسائل سے عبارت ہیں کہ خود احکام فقہیہ جن کے ذیل میں آتے ہیں''

۴۔ امام مقری المالکی قاعدہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ونعنى بالقاعدة كل كلى هوأخص من الأصول و سائر المعانى العقلية العامة ، وأعم من العقود و جملة الضوابط الفقهية الخاصة "(۱٦)

"اور قاعدہ سے ہماری مراد ہر وہ کلی ہے جو کہ اصول اور تمام عمومی عقلی معانی سے خاص ہو اور عقود اور تمام مخصوص فقہی ضوابط سے عام ہو"

۵۔ قانونِ جدید میں قاعدہ کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"A principle of law universally admitted as being a correct statement of the law, or as agreeable to reason."(17)

''ایسا قانونی ضابطہ جسے بین الاقوامی طور پر ایک درست قانونی بیان تسلیم کیا گیا ہو اور وہ عین عقل کے مطابق ہو''

اس تعریف کی رو سے قاعدہ ویسے تو ایک محاورہ یا ضرب المثل ہے مگر اس کی اہمیت کو اگر دیکھا جائے تو یہ ایک مکمل قانونی ضابطہ کی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر عدالتوں میں فیصلے کئے جاتے ہیں، جس سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا تعریفات قاعدے کی عام اصطلاح کو واضح کرتی ہیں اور یہ اصطلاح تمام علوم میں جاری ہوتی ہے۔ یقیناً ہر علم کے چند قواعد ہیں۔ جیسے نحویوں کا قول کہ فاعل مرفوع، مفعول منصوب اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اصولیین کا قول کہ امر و

جوب کے لیے ہےاورنفی تحریم کے لیےسو یہ قاعدہ چاہےنحوکا ہو،اصول فقہ یاکسی اورعلم کا ہوا پنے مفہوم کے اعتبار سے ایسا امر کلی ہے جو اپنی جزئیات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جز باقی نہیں رہتی۔

قواعد فقہیہ کے مآخذ ومراجع وہی ہیں جو کہ شرعی احکام کیلئے ہوتے ہیں، ذیل میں شریعت کے بنیادی ماخذ اور ثانوی مآخذ سے اخذ ہونے والے بعض فقہی قواعد کا ذکر کیا جائے گا تا کہ اس کے مآخذ ومراجع کے بارے میں آگہی حاصل ہوسکے۔

ا۔قرآن مجید اور قواعدِ فقہیہ:

بہت سے قواعدِ فقہیہ قرآن حکیم کی آیات سے ماخوذ ہیں ایسے چند قواعد فقہیہ کا ذکر حسب ذیل ہے۔

i۔ الضرورات تبیح المحظورات(۱۸) "ضرورتیں حرام چیزوں کو جائز کردیتی ہیں"

یہ قاعدہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے مأخوذ ہیں۔

الف۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (۱۹)

''سو جو کوئی مجبور ہو وہ سرکشی اور حد سے تجاوز کئے بغیر (حرام چیزوں کو) کھالے تو اس پہ کوئی گناہ نہیں''

اضطراری کیفیت حرام کو حلال (جائز) بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔اور یہی اصول قاعدہ مذکورہ میں اور یہی حقیقت مذکورہ آیت قرآنی میں بیان ہوئی ہے۔

ب۔ ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (۲۰)

''مگر وہ جو مجبور ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو''

یہ آیت بھی مذکورہ ضابطے کا مأخذ بنتی ہے۔چونکہ اس میں اضطراری حالت کے دوران زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔اور یہاں راہ عزیمت نہیں بلکہ راہ رخصت اختیار کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہدایت کی گئی ہے اور یہ ضابطہ بھی اسی آیت کے تحت ہے لہذا قرآن کے حکم کے مطابق اس ضابطہ سے ثابت ہونے والے تمام مسائل فروعیہ کو وہی حیثیت حاصل ہوگی جو کہ آیت قرآن کے تحت آنیوالے مسائل کو حاصل ہے۔

ii۔ "ماجازللضرورة یتقدربقدرها" (۲۱)

"جو کام ضرورت کے تحت جائز ہو وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ فقہیہ مذکورہ سابقہ آیت کے الفاظ ''غیر باغ ولا عاد'' سے ماخوذ ہے۔کہ ضرورت کے وقت حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت محدود ہے۔اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ضرورت کو بنیاد بنا کر اس کا بے دریغ اور بلاضرورت استعمال شروع کر دیا جائے۔

iii۔ "المیسور لایسقط بالمعسور" (۲۲)

"آسانی تنگی کے سبب ساقط نہیں ہوتی"۔

یہ ضابطہ قرآن کی کئی آیات سے ثابت ہے۔

﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُبِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (۲۳)

"اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا"

۴۔ ''الحرج مدفوع''، ''تنگی کو دور کیا جائے گا''

اس کی بنیاد قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ (۲۴)

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا"

ان آیات میں بڑی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ تنگی نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے۔اور اسلام کا یہی امتیازی وصف ہے کہ اس میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔اسی سبب سے فقہاء نے یہ ضابطہ اخذ کیا کہ تنگی کے سبب کسی آسانی کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

iv) "اذا ضاق الامر اتسع" (۲۵)

''جب معاملہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس میں وسعت آ جاتی ہے"

گویا تنگی آسانی کا سبب بنتی ہے۔اسی بات کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا۔

﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ (۲۶)

"بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے"

یہی وجہ ہے کہ نئے مسائل کی وجہ سے جب اہل زمانہ کو تنگی محسوس ہوئی تو فقہاء نے اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی تلاش کرنے کی کوشش کی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امور میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ زیادہ آسان چیز کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو (۲۷)۔اور وراثت کے اصول میں بھی عول کا تصور اسی ضابطے سے مطابقت رکھتا ہے۔

v) "المشقة تجلب التیسیر" (۲۸) "مشقت آسانی لاتی ہے"

شریعت کے احکام کا خطاب صرف اور صرف انہی افراد کو ہوتا ہے جو کہ مکلّف ہیں اور ان مکلفین میں بھی انہی لوگوں کو حکم شریعت پر عمل کا پابند بنایا جاتا ہے جو اسکی ادائیگی کی ہمت رکھتے ہیں اور اگر وہ ایسے فعل کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس حکم کی تعمیل ان پر تاوقتِ استطاعت لازم نہیں ہے۔اس قاعدہ کی بنیاد مندرجہ ذیل آیات قرآنی پر رکھی گئی ہے۔

(ا) ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ (۲۹)

"اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا"

(ب) ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳۰)

''کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جاتی''

(ج) ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳۰)

''ہم کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے''

(د) ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (۳۱)

''اے ہمارے پروردگار ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے''

ان تمام آیات میں نفس کو اس کی طاقت اور ہمت کے مطابق مکلّف بنانے کا ضابطہ ذکر ہوا ہے۔ گویا جہاں بھی اس کی طاقت سے زیادہ مشقت والا پہلو ہوگا وہاں اس کو آسانی حاصل ہوگی کیونکہ اسلام تکلیف مالا یطاق کا قائل نہیں ہے اور یہی بات اس قاعدہ میں بیان کی گئی ہے۔

(vi) "العادة محكمته" (۳۲)

"عادت اور دستور کے مطابق حکم دیا جاتا ہے"

تشکیل احکام میں معاشرہ کے رسم ورواج اور عادات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کے علاوہ اگر مغربی طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ کے اکثر قوانین کی بنیاد ہی ان کے رسم ورواج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسم ورواج پر مشتمل قوانین کو Common Laws, Civil Laws یا Customary Laws کا نام دیا جاتا ہے اور برطانوی آئین تحریری نہیں بلکہ برطانوی رواج کے مطابق غیر تحریری ہے اور اس پر سختی سے عمل درآمد ہوتا ہے۔

معاشرتی رسم ورواج کو اسلامی قانون سازی میں بھی اہم مقام حاصل ہے چنانچہ قاعدہ مذکورہ اسی حقیقت کو اجاگر کرتا ہے اور اس قاعدہ کی بنیاد مغربی قانون نہیں بلکہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات ہیں۔

(ا) "وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ" (۳۳) "اور عرف (نیک کام) کا حکم دیجئے"

(ب) ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (۳۴) "اور ان سے معروف طریقے کے مطابق سلوک کیجئے"

ان آیات میں عرف اور معروف کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں عرف سے مراد ایسا عرف نہیں ہے جو کہ خلاف شریعت ہو اور معروف طریقے سے ایسا طریقہ مراد نہیں ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہو کیونکہ عرف اور معروف وہی ہے جو کہ شریعت کے مقاصد کے مطابق ہو۔

ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ قواعد فقہیہ کی بنیاد قرآن حکیم کی آیات ہیں۔

۲۔ سنتِ نبوی ﷺ اور قواعد فقہیہ:

بہت سے قواعد فقہیہ سنت نبویہ سے ماخوذ ہیں۔ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو کہ بعینہ حدیث کے الفاظ اور بعض ایسے ہیں جو احادیث سے مأخوذ ہیں۔ذیل میں چند ایک ایسے قواعد کو بیان کیا جاتا ہے۔

(i) "لاضرر ولا ضرار" (۳۵)

"نہ کسی کو ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی کو انتقاماً نقصان پہنچایا جائے"

یہ ضابطہ بعینہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ:لاضرر ولا ضرار"(۳٦)

گویا اس ضابطے میں کسی کو ابتداءً اور انتقاماً نقصان دینے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔تو جہاں بھی اس طرح کی ضرر رسانی ہوگی۔اس سے اجتناب برتنا لازم ہوگا خواہ ان امور کا تعلق معاشی معاملات سے ہو یا معاشرتی معاملات سے۔

(ii) (ا) "الخراج بالضمان"(۳۷)

"جرمانہ ذمہ داری کے مطابق ہوگا"

یہی الفاظ حدیث میں بھی بیان کئے گئے ہیں(۳۸)

(ب)" الغرم بالغنم" (۳۹)

"جرمانہ منافع کے برابر ہوگا"

یہ قاعدہ بھی مذکورہ حدیث سے ماخوذ ہے۔

یہ دونوں قواعد واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی کو جرمانہ کرنا ہے تو اس کی مقدار ایسے شخص کی ذمہ داری اور ایسے شخص کے اس چیز سے استفادہ پر منحصر ہوگی۔اگر نقصان زیادہ ہے تو جرمانہ بھی زیادہ ہوگا۔اگر شیئ سے استفادہ زیادہ ہے تو جرمانہ بھی زیادہ ہوگا اور اس کے برعکس صورت میں دونوں احوال میں جرمانہ کی مقدار بھی کم ہوگی۔

(iii)" البينة على المدعى واليمين علىٰ من انكر"(٤٠)

"ثبوت فراہم کرنا مدعی کی ذمہ داری اور قسم دینا انکاری پر لازم ہے"

اس قاعدے کے یہ الفاظ بعینہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مروی ہیں۔چنانچہ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے دور میں طائف کا قاضی تھا اور پھر دو عورتوں کے قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس کو اس معاملہ کی وضاحت کیلئے لکھا تو آپ نے جواباً لکھا:

"أن رسول الله ﷺ قال:لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماء هم،ولكنّ البيّنة على المدعى واليمين على من أنكر"(٤١)

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں ان کے دعوی کے مطابق دے دیا جائے تو افراد قوموں کے اور ان کے خون کا مطالبہ کریں گے، لیکن دلیل دینا مدعی کی ذمہ داری ہے اور (دلیل کی عدم موجودگی میں) قسم کھانا انکار کرنے والے (مدعی علیہ) کی ذمہ داری ہے''

قضاء کے باب میں زیادہ تر انحصار حقائق وشواہد پر ہوتا ہے لہذا یہ تمام ثبوت فراہم کرنا مدعی کے ذمے لازم ہے اور اگر وہ ایسا کرنے سے قاصر ہو مگر اپنے دعویٰ پر پھر بھی قائم ہو تو پھر مدعیٰ علیہ کو قسم اٹھانے کا کہا جائے گا اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو فیصلہ مدعی کے حق میں اور اگر وہ قسم اٹھالے تو فیصلہ مدعی کے خلاف کر دیا جائے گا۔ عدالتی فیصلوں کے علاوہ عام پنچائتی معاملات میں بھی اسی اصول کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔

(iv) "الا مور بمقاصدها"(٤٢)

"امور کا انحصار ان کے مقاصد کے مطابق ہوتا ہے"

افعال مکلّف کا انجام جزاء اور سزا کے اعتبار سے ان میں پنہاں ارادوں اور نیتوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد مشہور حدیث.

"انما الاعمال بالنيات"(٤٣)

''اعمال کا دارومدار محض نیتوں پر ہے''

نیت اگر اچھی ہوگی تو ایک عام عمل بھی نیکی میں تبدیل ہوسکتا اور اگر نیت درست نہ ہو تو پھر نماز بھی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

(v) (ا)"الضرر يزال"(۴۴) "نقصان کو ختم کیا جائے گا"

(ج)" اذا تعارض مفسد تان روعی اعظمهما ضرراً بارتكاب اخفهما"(٤٥)

"جب دو نقصان دہ چیزیں متعارض ہوں تو ان میں ہلکے نقصان والی چیز کو اپناتے ہوئے زیادہ ضرر والی چیز کو چھوڑ دیا جائے گا"

(د)"الضرر الاشد يزال بالضرر الاخف"(٤٦)

(ر)"يختار اهون الشرين"(٤٧)

ان تینوں ضابطوں کی بنیاد بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں:

" لا ضرر ولا ضرار "(٤٨)

''نہ تو ابتداءً کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی انتقاماً نقصان پہنچایا جائے''

گویا ضرر رساں اشیاء کو یا تو بالکل ختم کیا جائے گا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو زیادہ ضرر والی چیز کو ترک کر دیا جائے گا اور کم ضرر والی کو اپنا لیا جائے گا مگر یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس ضرر رساں چیز سے چھٹکارہ بالکل ناممکن ہو۔

(vi) "اذااجتمع الحلال والحرام غلب الحلالُ الحرام"(٤٩)

"جب حلال اور حرام اکٹھے ہو جائیں تو حرام کو حلال پر غلبہ دیا جائے گا"

امام بیہقی نے انہی الفاظ کے ساتھ حدیث درج کی ہے مگر محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا مگر ضعیف حدیث کے دعویٰ کے باوجود انہوں نے اس قاعدہ کو درست قرار دیا ہے۔امام ابوداؤد نے اسی معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے۔

"الحلال بین والحرام بین و بینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس ،فمن اتقی الشبهات استبرأ دنیه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام"(٥٠)

''حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔سو جوان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین وعزت بچالی اور جو ان میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا''

سواس سے معلوم ہوا کہ حرمت کا شبہ رکھنے والی چیزوں سے بھی اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ حرام کے ارتکاب کا سبب ہوسکتی ہیں سو اگر حلال اور حرام دونوں اکھٹے ہو جائیں تو پھر حرام کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو لازمی طور پر ترک کر دیا جائے گا کیونکہ حرام و حلال کے اجتماع کی صورت میں محض حرام کا شبہ نہیں بلکہ حرام کا ارتکاب یقینی ہو جاتا ہے۔

(vii) "من استعجل الشئ قبل ا وانه عوقب بحرمانه " (٥١)

"جس نے کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کی اس کو اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی"

اس قاعدہ کی بنیاد درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

"القاتل لا یرث" (٥٢)

(ا)"لیس للقاتل من المیراث شیئی"(٥٣)

" قاتل کے لئے مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی نہیں ہے"

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

"لا یرث القاتل من المقتول شیئا"(٥٤)

" قاتل مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا"

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

(ب)"لیس لقاتل وصیة"(٥٥)

" قاتل کیلئے کوئی وصیت نہیں"

گویا اگر کسی شخص نے مورث اور موصی کو اس لئے قتل کیا تا کہ وہ جلد وراثت اور وصیت سے ملنے والی جائیداد حاصل کر لے تو

ایسے قاتل کو وراثت اور وصیت دونوں سے محروم کردیا جائے گا۔

(viii) "الحدود تدرأ بالشبهات"(٥٦)

یہ قاعدہ مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

"ادرئو واالحدود بالشبهات"(٥٧) ''شبہات کی بنیا پر حدود کو ختم کردو'

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

"ادرؤوالحدو عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام أن يخطئى فى العفو خير من أن يخطئى فى العقوبة"(٥٨)

''مسلمانوں سے جہاں تک ممکن ہو شبہات کی وجہ سے حدود ختم کردو، پس اگر ان کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نکل رہا ہو تو ان کو چھوڑ دو کیونکہ امام کا معاف کرنے کی غلطی کرنا سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدود کی سزا کیلئے تمام ثبوت کا ہونا لازمی ہے اور اگر کسی بھی حوالے سے شبہ پایا جائے تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا اور حد کی سزا سے احتراز کیا جائے گا۔

(۹) "كل قرض جرنفعاً فهو رباً"

''ہر وہ قرض جو منافع کا سبب بن رہا ہو، وہ سود ہے''

یہ قاعدہ فقہیہ بھی حدیثِ رسول ﷺ سے مأخوذ ہے اور اس حوالے سے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عمّار الهمدانى قال سمعت علياً يقول:قال رسول الله ﷺ :كل قرض جرّ منفعة فهو رباً"(٥٩)

''عمار ہمدانی سے روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ قرض جو منفعت کا سبب بنے وہ سود ہے''

اس قاعدہ فقہیہ کیلئے بھی مصدر حدیث ہی بن رہی ہے جس طرح کہ اور بہت سے قواعد کیلئے بنتی ہے۔

۳۔ کتاب وسنت کے علاوہ دیگر مصادر اور قواعد فقہیہ:

قرآن وسنت کے علاوہ بھی دیگر مآخذِ شریعت ہیں جن سے احکامِ شریعت کا استنباط ہوتا ہے۔ ذیل میں ان دیگر مآخذِ شریعت میں بیان کردہ قواعدِ فقہیہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(i) مصالحِ مرسلہ اور قواعدِ فقہیہ:

مصالحِ مرسلہ کے مطابق کئی قواعد فقہیہ آتے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا)"يختار اهون الشرين"(٦٠)

"دو برائیوں میں ہلکی برائی کو اختیار کرلیا جائے گا"

اس ضابطے کی بنیاد مصالح مرسلہ پہ ہے جیسے اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور وہ عورت وفات پا جائے تو اس کے پیٹ

کو چاک کر کے بچہ زندہ نکالا جائے گا بشرطیکہ اس کی زندگی کا قوی امکان ہو(۶۱)۔گویا ایک طرف میت کے احترام کے منافی ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کیا جائے لیکن دوسری طرف ایسا نہ کرنے کی صورت میں ایک اور زندگی کا خاتمہ یقینی ہے۔سو ایسی صورت میں کم نقصان والی بات کو اپنا لینا بہتر ہے۔

(ب)"درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع"(٦٢)

"مفاسد کا خاتمہ منافع کے حصول سے بہتر ہے"

اس ضابطے کی بنیاد بھی مصالحِ مرسلہ ہے کہ ایسا منافع جس میں مفاسد بھی پنہاں ہوں اس کے حصول سے اس کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔مثلاً آبادی کے اندر کارخانہ لگانا کہ اس میں لوگوں کو روزگار بھی ملتا ہے اور مالک کو منافع بھی ہوتا ہے مگر اس سے بہت سی آبادی متاثر ہوتی ہے،طلباء اور مریض پریشان ہوتے ہیں،عام لوگوں کے معمولات میں بھی خلل پڑتا ہے اور بعض کارخانے بہت سی بیماریوں کا باعث بھی بنتے ہیں سو ایسی صورتحال میں مصالح مرسلہ کے تحت اس ضابطے پر عمل کرتے ہوئے ایسے کارخانوں کو آبادی سے باہر لے جانا چاہئے تاکہ تھوڑا منافع حاصل کرنے کی بجائے زیادہ نقصان سے بچا جاسکے۔

(ii)عرف وعادت اور قواعد فقہیہ:

عرف وعادت کے تحت بھی کئی ایک قواعد فقہیہ ہیں مثلاً

(ا)" العادة محكمة"(٦٣)

"عادت کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے"

(ب)"استعمال الناس حجة يجب العمل به"(٦٤)

"لوگوں کا استعمال بھی ایک حجت ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے"

(ج)"لاينكر تغير الاحكام بتغير الزمان "(٦٥)

"زمانے (عرف) کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا"

(د)"انما تعتبر العادتة اذا اطردت او غلبت (٦٦)

"عادت کا اس کے چھوڑنے یا غلبہ کے اعتبار سے اعتبار کیا جائے گا"

(ر)"المعروف عرفا كالمشروط شرطا"(٦٧)

"معروف رواج شرط کی طرح ہوتا ہے"

(ز)"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم"(٦٨)

"تاجروں میں معروف بات ان میں شرط کی طرح ہوتی ہے"

(س)"التعييس بالعرف كالتعيين با لنص" (٦٩)

"عرف کا تعین نص کے تعین کی طرح ہی ہے"

مندرجہ بالا تمام قواعد عرفِ عادت کے تحت آتے ہیں جو کہ ثانوی مأخذ شریعت میں سے ایک ہے۔رواج کے بدلنے سے

احکام بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔

سدالذرائع اور قواعدِ فقہیہ:

سدالذرائع کے تحت بھی کئی ایک قواعد فقہیہ ہیں۔

(ا)"للوصائل حکم المقاصد"(۷۰)

''وسائل کیلئے مقاصد کا حکم ہے''

سدالذرائع کے اصول کے تحت وسائل چاہے جائز ہوں یا ناجائز ان کے حکم کو ان مقاصد کے تحت لیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے والدین کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔اسی طرح دورِ فتن میں اسلحہ کی خرید وفروخت پر پابندی لگائی گئی ہے، اسلحہ سے کھیلنے کی ممانعت ہے اور ایسے ہی اسلحہ کی نمائش سے منع کیا گیا ہے۔محرم کے بغیر عورت کے سفر اور مرد کی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کی ممانعت سدالذرائع کی اہم مثالیں ہیں اور ان سب میں اہم چیز اس اصول کے تحت جو پیش نظر رکھی گئی ہے وہ وسائل کا انجام اور ان کے استعمال کا مقصد ہے تو سدالذرائع کے اصول کے تحت ناجائز مقصد کی وجہ سے جائز ذریعہ بھی ناجائز ہوجائے گا۔

(ب)"ماحرم سداً للذريعة ابيح للمصلحة الراجحة "(۷۱)

''جو سد ذرائع کی وجہ سے حرام ہے وہ مصلحت عامہ کی وجہ سے جائز ہوسکتی ہے"

جیسے منگنی کرنیوالے، گواہی دینے والے اور ڈاکٹر کے لئے غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے۔

(iii) استصحاب اور قواعد فقہیہ:

بہت سے قواعد فقہیہ کی بنیاد استصحاب پر ہے۔کسی چیز کا حکم اس وقت تک اپنی اصل حالت میں رہے گا جب تک کہ اس کی مخالفت میں کوئی دلیل نہ آئے۔اس ذیل میں چند ضابطے حسب ذیل ہیں

(ا)"الاصل بقاء ما كان على ما كان "(۷۲)

"چیز کو اس کی سابقہ حالت کے مطابق سمجھا جائے گا"

(ب) "اليقين لا يزول بالشك"(۷۳)

''یقین شک سے زائل نہیں ہوگا"

(ج)"الاصل فى الاشياء الاباحة"(۷٤)

"چیزوں کی اصل جائز ہے"

(د) "الاصل براءة الذمة"(۷۵)

"اصل ذمہ داری سے بری ہونا ہے"

(ر)"الاصل فى الامور العارضة العدم"(۷٦)

"امور متعارضہ میں اصل عدم ہے"

(ز)"الاصل فى كل حادث تقديره بأقرب زمن"(۷۷)

"تمام واقعات میں اصل یہ ہے کہ ان کو قریبی زمانہ کی طرف منسوب کیا جائے گا"

اسی نوعیت کا جدید اصول قانون بھی ہے کہ:

"Latter laws repeal earlier laws inconsistent therwith"(78)

''اگر سابقہ اور نئے قانون میں تضاد ہو تو نیا قانون سابقہ قانون کو منسوخ کر دے گا (اور نیا قانون نافذ ہوگا اور پرانے پر عمل نہیں کیا جائے گا)''

ان تمام امور میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ بغیر دلیل کے مکلّف پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوگا جیسے اگر کسی کے ذمے قرض کا ثبوت نہ ہو تو اس کو "**الاصل براءۃ الذمۃ**" کے تحت قرض سے بری قرار دیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو تو اس کو "**الاصل فی الاشیاء الاباحۃ**" کے تحت جائز تصور کیا جائے گا اور جواز کیلئے مزید کسی دلیل کی تلاش کی ضرورت نہ ہوگی۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ بہت سے قواعد فقہیہ کتاب وسنت سے ثابت ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو بعینہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر مبنی ہیں تو جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہو شریعت میں اس کی حیثیت مسلمہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء مسائل کے استنباط میں قواعد فقہیہ کو بطور دلیل ذکر کرتے ہیں۔ مگر کتاب وسنت کے علاوہ دیگر ثانوی مآخذ شریعت سے بھی بعض قواعد فقہیہ ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے مصالح مرسلہ، عرف وعادت، سد الذرائع اور استصحاب حال۔

نتائج بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ اور ماحصل مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے:

- ☆ قاعدہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ہر فن اور علم کی ہر برانچ میں ہوتا ہے۔
- ☆ قاعدہ لغوی اعتبار سے اساس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ وہ اساس حسی ہو یا معنوی مگر اصطلاحی اعتبار سے اس سے مراد ''ایسا امر کلی ہے جو اپنی جزئیات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جز باقی نہیں رہتی''۔
- ☆ اصطلاح فقہ کے اعتبار سے قاعدہ سے مراد ''ہر وہ کلی ہے جو کہ اصول اور تمام عمومی عقلی معانی سے خاص ہو اور عقود اور تمام مخصوص فقہی ضوابط سے عام ہو اور اس سے اس کی جزئیات بآسانی سمجھی جا سکتی ہوں"
- ☆ قواعد فقہیہ کوئی نیا علم یا فن نہیں بلکہ ان کا استعمال با قاعدہ حدیث رسول ﷺ، آثار صحابہ اور فقہاء کی کتب میں ہوا ہے اور بعد میں آنے والے فقہاء نے بس ان کو ترتیب دے کے منظّم کیا ہے۔
- ☆ قواعد فقہیہ کے مصادر و مآخذ میں بنیادی مصادر قرآن اور سنت رسول ﷺ ہیں جبکہ ان کے ثانوی مصادر مصالح مرسلہ، عرف وعادت، سد الذرائع اور استصحاب حال ہیں۔
- ☆ جو قواعد فقہیہ قرآن وسنت میں اخذ ہوئے ہیں اسلامی احکام کی فراہمی میں ان کی وہی حیثیت ہے جو کہ قرآن وسنت کو حاصل ہے اور ان سے سر مو انحراف جائز نہیں ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ راغب اصفہانی، ابوالقاسم، حسین بن محمد (۵۰۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، ۱۳۸۱ھ۔۱۹۶۱ء، ۴۰۹

۲۔ الزبیدی، محمد مرتضی، تاج العروس، باب الدال، فصل القاف، تحقیق علی شیری، دارالفکر، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء، ۲۰۱/۵

۳۔ نووی، محی الدین یحی بن شرف (۶۷۶ھ)، تہذیب الاسماء واللغات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲/ ۹۸

۴۔ ابن منظور (م:۷۱۱ھ) لسان العرب، داراحیات التراث العربی، بیروت، لبنان، طبعہ اولی، ۱۹۸۸ء، ۲۳۹/۱

۵۔ فیومی، احمد بن محمد بن علی المقری (م:۷۷۰ھ)، المصباح المنیر، دارالفکر، ۲/ ۵۱۰

۶۔ القرآن الکریم، البقرۃ ۲: ۱۲۷ ۷۔ أیضاً، ۱۶: ۲۶ ۸۔ أیضاً، النور ۲۴: ۶۰

۹۔ شریف جرجانی، علی بن محمد بن سید الزین ابوالحسن الحسینی (م:۸۱۶ھ)، التعریفات، مکتبہ رحمانیہ، لاہور: ۲۳

۱۰۔ ابوالبقاء کفوی، ایوب بن موسی کفوی، (۱۰۹۴ھ۔۱۶۸۳ء)، الکلیات، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۷۲۸

۱۱۔ تفتازانی، سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ (۷۹۲ھ)، التلویح الی کشف حقائق التنقیح علی التوضیح، نور محمد وکارخانہ تجارتِ کتب آرام باغ، ۱۳۳۱ھ، ۱/ ۴۱

۱۲۔ تھانوی، محمد اعلی بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون، شیاتک موسیقی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ۲/ ۱۱۷۶

۱۳۔ حموی، احمد بن محمد، غمزۃ عیون البصائر شرح الأشباہ والنظائر، الفن الاول القول فی القواعد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، طبعہ اولی، ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء، ۵۱/۱

۱۴۔ سبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی (م:۷۷۱ھ) الاشباہ و النظائر، تحقیق شیخ عادل احمد عبدالوجود و شیخ علی محمد معوض، ۱/ ۱۱، طبع ۲۰۰۱ء، دارالکتب لعلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۵۔ زرکشی (م:۷۹۴ھ): المنثور فی القواعد، تحقیق: الدکتور تیسیر فائق احمد محمود، طبعہ ثانیہ، ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵م، شرکۃ دارالکویت للصحافۃ، ۱/ ۳۳

۱۶۔ مقری، محمد بن محمد بن احمد (م ۷۵۸ھ)، القواعد، ۱/ ۱۵۰، تحقیق: احمد بن عبداللہ بن حمید، مرکز احیاء التراث الاسلامی، مکہ مکرمہ

۱۷ Black's Law Dictionary, The Publishers Editorial Staff, Sixth Edition, 1990,p:979

۱۸۔ ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم، (م ۹۷۰ھ)، الاشباہ والنظائر، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی: ۴۳

۱۹۔ القرآن الکریم، البقرۃ: ۲: ۱۷۳ ۲۰۔ أیضاً، النحل: ۱۶: ۱۰۶ ۲۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۳

۲۲۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۱۵۹ ۲۳۔ القرآن الکریم، البقرۃ: ۲: ۱۸۵ ۲۴۔ أیضاً، المائدۃ ۵: ۶

۲۵۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۲ ۲۶۔ القرآن الکریم، الشرح: ۹۴: ۶

۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود والانتقام لحرمات اللہ، ۲/ ۱۰۰۳؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب مباعدتہ للآثام و اختیارہ من المباح اسہلہ وانتقامہ للہ تعالی عند انتہاک حرماتہ، ۲/ ۲۵۶؛ ابوداؤد، سنن، کتاب الأدب، باب، فی التجاوز، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲/ ۳۱۷

۲۸۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۳۷ ۲۹۔ القرآن الکریم، البقرۃ: ۲: ۲۸۶

۳۰۔ أیضاً، البقرۃ: ۲: ۲۳۳ ۳۱۔ أیضاً، الانعام: ۶: ۵۲؛ مومنون: ۲۳: ۶۲ ۳۲۔ أیضاً، البقرۃ: ۲: ۲۸۶

۳۳۔ الاعراف: ۷: ۱۹۹ ۳۴۔ القرآن الکریم، النساء ۴: ۱۹ ۳۵۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۲

۳۶۔ امام مالک، مؤطا، کتاب الأقضیۃ، باب القضاء فی المرفق ۶۴۳، قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ، کراچی؛ ابن ماجہ، السنن، ابواب الأحکام، باب من بنی فی حقہ مایضرّ بجارہ: ۱۶۹

۳۷۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۷۷

۳۸۔ ترمذی، الجامع، ابواب البیوع، باب ما جاء فی من یشتری العبد ویستغلہ ثم یجد بہ عیباً، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱/ ۳۷۳؛ النسائی، سنن، کتاب البیوع، باب الخراج بالضمان، ۲/ ۲۱۴؛ ابوداؤد، سنن، کتاب البیوع، باب فی من اشتری عبداً فاستعملہ ثم وجد بہ عیباً، مکتبہ

رحمانیہ، لاہور، ۱۳۹/۲؛ ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب، الخراج بالضمان: ۱۶۲

۳۹۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیۃ: ۳۰۵ ۴۰۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیۃ: ۲۴۰

۴۱۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین (م ۴۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، کتاب الدعوی والبیّنات، باب البیّنۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳م، ۴۲۶/۱۰

۴۲۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۱۲

۴۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی ماعنی والنیات، ۳۱۸/۱؛ ابن ماجہ، السنن، ابواب الزہد، باب النیۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور: ۳۱۱

۴۴۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۲ ۴۵۔ أیضاً: ۴۴ ۴۶۔ أیضاً: ۴۴

۴۷۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مادۃ، ۲۹

۴۸۔ ابن ماجہ: السنن: ابواب الأحکام، باب من بنی بحقہ مایضر بجارہ، ۱۶۹؛ امام مالک، مؤطا، کتاب المکاتب، باب مالا یجوز من عتق المکاتب: ۵۶۰

۴۹۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۵۵

۵۰۔ ابوداؤد، السنن، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبہات، ۱۱۸/۲ ۵۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۸۰

۵۲۔ ترمذی، الجامع، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ۳۱/۲

۵۳۔ دارقطنی، السنن، کتاب الاقضیۃ، دارنشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور، ۲۳۷/۴

۵۴۔ الدارمی، السنن، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل، ۲۷۷/۲

۵۵۔ دارقطنی، السنن، کتاب الاقضیۃ، ۲۳۷/۴ ۵۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۶۴

۵۷۔ ترمذی، الجامع، ابواب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، ۳۹۵/۱ ۵۸۔ أیضاً، ۳۹۵/۱

۵۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، کتاب البیوع، باب الزجر عن القرض اذا جر منفعۃ، تحقیق: حبیب الرحمٰن أعظمی، توزیع عباس احمد الباز، مکہ مکرمہ، ۴۱۱/۱؛ ابن ابی شیبۃ، ابوبکر عبداللہ بن محمد (م ۲۳۵)، مصنف، کتاب البیوع والأقضیۃ، باب من کرہ کل قرض جر منفعۃ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء، ۱۸۰/۶

۶۰۔ علی حیدر، درر الحکام، مادۃ، ۲۹، ۳۷/۱ ۶۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۴ ۶۲۔ أیضاً: ۴۵

۶۳۔ أیضاً: ۴۶ ۶۴۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیۃ، ۵۶ ۶۵۔ علی حیدر، درر الحکام، مادہ ۳۹، ۴۳/۱

۶۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ۴۷ ۶۷۔ أیضاً: ۴۹ ۶۸۔ علی حیدر، درر الحکام، مادۃ، ۴۴، ۴۶/۱

۶۹۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیۃ، ۵۶

۷۰۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، ۱۴۷/۳؛ ملا علی قاری، علی بن سلطان (م ۱۰۱۴ھ)، مرقاۃ المفاتیح، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۲۹/۴

۷۱۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیۃ: ۵۶ ۷۲۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ۲۸ ۷۳۔ أیضاً: ۲۷

۷۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۲۷ ۷۵۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۵۲ ۷۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۳۱

۷۷۔ أیضاً: ۳۲

۷۸. Broom, Herbert, Legal maxims, p.347,Sweet and Maxwell Ltd. London, 10th Edition,1939